تفسیر تبیان الفرقان میں برصغیر کے متجددین کی آراپر نقد: تجزیاتی مطالعہ

Criticism on the Opinions of Modernists of Subcontinent in Tafsīr Tibyān ul Qur'ān; An Analytical Study

*ڈاکٹر اصغر علی خان

**شہباز شبیر

Abstract

Ghulām Rasūl Sa'īdī is a well-known and famous interpreter of Qur'ānic revelations. He has criticized modern, out of context and illegal interpretation of Holy Qur'ān. One of his Two Famous *Tafāsīrs*, *Tibyān ul Furqān* is replete with examples of criticism on his contemporary interpreters of Holy Qur'ān. He has presented many authentic sources to prove his stance. To prove his research, he has cited form Holy Qur'ān, Sunnah and Ḥadith, Jurisprudential sources of all four sects of Fiqh and even form the books of those, on them he has criticized. A very rare and appreciable thing in his writings is that he is unbiased, neutral, careful and moderate person while using pen. In this article the explicit concepts of *Sir Sayyed Aḥmed Khān*, *Ghulām Aḥmad Parvaiz* and others have been rejected with the arguments given by *Allama Sa'īdī* in His *Tafsīr Tibyān ul Furqān* and the Majority of the Scholars and Muslim thinkers.

Keywords: Sub-Continent, *Tafsīr Tibyān ul Furqān, Parvaiz*.

موضوع کا تعارف

تجدد عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ 'ج۔د۔د' ہے اس مادے سے عربی زبان میں دو اہم الفاظ استعمال ہوتے ہیں: ایک 'تجدد' اور دوسرا 'تجدید'، تجدد باب تفعل سے مصدر ہے اور اس مصدر سے اسم الفاعل متجدد بنتا ہے، جب کہ 'تجدید' باب تفعیل سے مصدر ہے اور اس کا اسم الفاعل مجدد استعمال ہوتا ہے۔ معاصر مذہبی اُردو لٹریچر میں تجدد ایک منفی جب کہ تجدید ایک مثبت اصطلاح کے طور پر معروف ہے۔[1] باب تفعیل سے تجدید کا لفظ متعدی معنی میں مستعمل ہے اور جدد الشیی کا معنی ہو گا کسی شے کا نیا کرنا، بعض علما کا کہنا ہے کہ اس لفظ میں تاطلب کے معنی میں ہے، یعنی کسی چیز کو نیا کرنے کی خواہش رکھنا۔ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: تجدید اُس وقت ہوتی ہے جب کسی شے کے آثار مٹ جائیں، یعنی جب اسلام غریب اور اجنبی ہو جائے تو پھر اس کی تجدید ہوتی ہے۔[2]

---

*اسسٹنٹ پروفیسر، انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک سٹڈیز، میر پور یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، (MUST) میر پور آزاد کشمیر

** لیکچرار اسلامیات، محکمہ تعلیم، آزاد کشمیر۔ پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف گجرات، گجرات

[1] ۔ احمد مختار، معجم اللغة العربیه المعاصرہعالم الکتب، ج ۱، ص ۲۴۹

[2] ۔ ابن تیمیه، مجموع الفتاوٰی ، بیروت، المکتبه العصریه بیروت، ج ۱۸، ص۸

مجدد اور متجدد کے معنوں میں فرق ہے۔ عام طور پر عوام الناس اس فرق میں مغالطے کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مجدد دین اسلام کی اصل تعلیمات پر پڑ جانے والے پردوں اور حجابات کو اٹھاتا ہے اور دین کا حقیقی تصور واضح کرتا ہے۔ پس تجدید سے مراد کسی شے کی اصلاح میں اضافہ یا تبدیلی نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد پہلے سے موجود ایک شے پر پڑے ہوئے حجابات کو رفع کرنا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: 'إن الله يبعث لهذه الأمة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها'[3] (بے شک اللہ تعالیٰ ہر صدی کے آخر میں اس امت کے لیے ایسے شخص کو بھیجتے ہیں جو امت کے لیے اس کے دین کی تجدید کرتا ہے۔)

اس کے برعکس باب تفعل سے تجدد کا لفظ لازمی معنی میں استعمال ہوتا ہے اور تجدد الشئی کا معنی ہے کسی چیز کا نیا ہو جانا۔ عربی زبان میں تجدد الضرع کا معنی ہے: جانور کا پچھلا دودھ ختم ہو گیا اور اب نیا دودھ آئے گا۔[4] پس تجدد کا معنی ہے پہلے سے موجود کسی شے کا غائب ہو جانا اور اس کی جگہ نئی چیز کا آ جانا، پہلے والا دودھ دوہنے کے بعد جانور کے تھنوں میں جو نیا دودھ آئے گا وہ نیا تو ہے لیکن پہلے والا نہیں۔[5] اسلام کے تجدد سے مراد یہ ہو گی کہ پہلے سے موجودہ اسلام کی تعبیرات غائب ہو جائیں اور اس کی جگہ نئی تعبیرات آ جائیں۔ اُردو میں اِس کو تشکیل جدید کہتے ہیں۔ انگلش میں اس Reconstruction کہتے ہیں۔

برصغیر میں متجددین کی صف میں سر سید احمد خان، امیر علی، اسلم جیراج پوری، چراغ علی، عبد اللہ چکڑالوی، احمد دین امرتسری مشہور ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد غلام احمد پرویز، غلام جیلانی برق، جاوید احمد غامدی، ڈاکٹر جاوید اقبال اور ڈاکٹر شکیل اوج وغیرہ نے تجدد پسندی میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔

تفسیر تبیان الفرقان علامہ غلام رسول سعیدی کی ایک منفرد اور مدلل تفسیر ہے۔ آپ نے قرآن مجید کی دو تفاسیر لکھیں: ایک تبیان القرآن، دوسری تبیان الفرقان۔ آپ نے بخاری اور مسلم کی دو شرحیں بھی لکھیں: ایک شرح صحیح مسلم اور دوسری نعم الباری شرح صحیح بخاری۔ تفسیر تبیان الفرقان کی خوبی یہ ہے کہ اس میں جامع اور مختصر مضامین ہیں۔ اس میں نئے تفسیری مضامین شامل ہیں۔ قرآن کا ترجمہ سہل ہے۔ آپ نے سابقہ تمام مترجمین کے ترجموں کو پیش نظر رکھا۔ بعض آزاد خیال لوگوں کی آرا کا رد کیا اور تازہ مسائل میں غور و فکر اور اجتہاد کے نتیجہ میں آزاد خیال علما افراط و تفریط کا شکار ہو جاتے ہیں، آپ نے اپنی اس تفسیر میں بڑی جامعیت اور اختصار کے ساتھ اُن کا محاسبہ کیا اور تفسیر میں جس قدر ممکن تھا احادیث و آثار پیش کیے۔ اگر کسی لفظ کے معنی کی وجہ سے لوگ افراط و تفریط کا شکار ہوئے تو آپ نے معنی کا تعین مستند عربی لغات و شرح سے کیا۔ اس تفسیر میں مفسر نے اسلام کے تمام مسلمہ عقائد پر دلائل فراہم کیے، جن آیات سے متجددین نے عام مسلمانوں پر اپنی فکر کی چھاپ لگانے کی کوشش کی، اس کا تدارک کیا۔ قرآن مجید کی جن آیات میں احکام و مسائل کا ذکر ہے، وہاں خصوصیت کے ساتھ امام ابو حنیفہ کے مذہب کا ذکر کیا اور فقہ حنفی کی حقانیت پر قوی دلائل قائم کیے۔ امام ماتریدی حنفی کی تاویلات اہل السنہ سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور حنفی مسلک پر قوی دلائل دیے ہیں۔

---

[3] ۔ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی دائود، باب فی عبید المشرکین یلحقوق بالمسلمین، المکتبہ العصریہ بیروت

[4] ۔ ابراہیم مصطفی، المعجم الوسیط، دار الدعوة مصر، ص ۱۰۹ ،حدیث نمبر4291

[5] ۔ ابن تیمیہ،مجموع الفتاوی ، بیروت، المکتبہ العصریہ بیروت، ج ۱۸، ص۸

علامہ سعیدی تفسیر تبیان الفرقان میں اکثر مقامات پر تفسیر کرتے ہوئے ابو منصور ماتریدی کی کتاب تاویلات اہل السنۃ سے استفادہ کرتے ہیں اور ابو منصور ماتریدی کی کی گئی تفسیر کو ترجیح دیتے ہیں۔ پھر دوسرے مفسرین کی تفاسیر کے حوالے بھی دیتے ہیں۔ تاویلات اہل السنہ کو فوقیت دینے کا مطلب یہی ہے کہ حنفی مسلک کو فوقیت دینا۔ امام ابو حنیفہ کے مسلک کی تائید کرنا۔ مثلاً سورۃ البقرۃ میں ذٰلِكَ الْكِتٰبُ[6] 'یہ عظیم الشان کتاب ہے'، کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ سعیدی لکھتے ہیں کہ امام ابو منصور ماتریدی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ سے مراد ہے 'ھذا ذٰلک' یعنی یہ کتاب اور ذٰلک بمعنی ھذا، لغت میں معروف ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ذٰلک بمعنی ذٰلک اور اس سے اس کی طرف اشارہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ (یہ وہ عظیم الشان کتاب ہے جو اس سے پہلے معزز صحیفوں میں لکھی ہوئی تھی۔)[7]

تبیان الفرقان میں متجددین کے افراط و تفریط پر نقد

غلام رسول سعیدی کا ایک طریقہ استدلال یہ ہے کہ وہ مخالف کی دلیل کو ذکر کرتے ہیں اور پھر اس کا ردّ قرآنی آیات واحادیث، لغتِ عرب، آثارِ صحابہ مفسرین کی تفسیر وغیرہ سے کرتے ہیں اور آخر میں خود چند الفاظ میں اس کا جواب دیتے ہیں۔ مثلا سورۃ بقرۃ میں آیت: وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ[8] (اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور تمھارے اوپر طور کو اٹھا کھڑا کیا، کہ جو کچھ ہم نے تمھیں دیا ہے اسے مضبوطی سے پکڑے رہو اور جو کچھ اس (کتاب تورات) میں (لکھا) ہے اسے یاد رکھو تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔) میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے پاس تورات لے کر آئے تو انھوں نے اس میں احکام کی سختی کو دیکھا تو یہ بات ان پر شاق گزری اور انھوں نے تورات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پہاڑ کو اُن پر معلق کر دیا تو خوف کی وجہ سے انھوں نے احکام خداوندی کو قبول کیا۔[9]

سر سید احمد خان لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل جو خدا کے دیکھنے کو گئے تھے۔ طور یا طور سینا اونچا کے نیچے کھڑے ہوئے تھے۔ پہاڑ ان کے سر پر نہایت اونچا اٹھا ہوا تھا۔ وہ اس کے سایہ کے تلے تھے اور طور بہ سبب آتش فشانی کے شدید حرکت اور زلزلہ میں تھا، جس کے سبب وہ گمان کرتے تھے کہ ان پر گر پڑے گا۔ پس اس حالت کو اللہ تعالیٰ نے ان لفظوں میں یاد دلایا ہے۔ (وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ.... وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ..)۔ سر سید لکھتے ہیں: مفسرین نے خرافاتیں اور لغو بیہودہ باتیں کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔[10]

---

[6] ۔ البقرۃ۲ : ۲

[7] ۔ ماتریدی، ابو منصور، تاویلات اہل السنۃ، ج ۱، ص ۳۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت

[8] ۔ البقرۃ ۲ : ۶۳

[9] ۔ الاعراف : ۷ : ۱۷۱

[10] ۔ سر سید احمد خان، تفسیر القرآن وھوی الھدی والفرقان، رفاہ عام سٹیم پریس لاہور، سن ندارد، ص

غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں کہ سر سید احمد خان نے نتق کا معنی ہلا دینے کے لکھے ہیں۔نتقه:زعزعه اورزعزع کا معنی ہلا دینے کے ہیں۔الزعزعه: تحریک الریح الشجرة ونحوها أو کل تحریک شدید،القاموس کا حوالہ دیا۔سعیدی لکھتے ہیں کہ یہ پوری عبارت القاموس میں مذکور نہیں ہے، یہ القاموس پر افترا ہے۔آپ مزید لکھتے ہیں کہ سر سید احمد خان کو چاہیے تھا کہ وہ قاموس کی شرح تاج العروس کا مطالعہ کر لیتے تاکہ وہ قرآن وحدیث اور آثار صحیحہ میں تحریف کے ارتکاب سے بچ جاتے۔آپ لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل ضدی اور ہٹ دھرم قوم تھے،ان سے حق منوانے کی اور کوئی صورت نہیں تھی۔ان کا علاج اسی طرح ہو سکتا تھا۔[11]

غلام احمد پرویز کے نظریہ طلاق کا رد

غلام احمد پرویز لکھتے ہیں کہ "یہ جو ہمارے ہاں روش ہے کہ مرد کا جس وقت جی چاہے طلاق، طلاق، طلاق کہہ کر بیوی کو گھر سے نکال باہر کرے۔یہ قطعاً خلافِ قرآن ہے۔نکاح ایک معاہدہ ہے، جس میں میاں بیوی برابر کے فریق ہوتے ہیں تو اس کے فسخ کرنے میں بھی وہ برابر کے فریق ہوں گے، یہ تو معاہدہ کے بنیادی تصور کے خلاف ہے کہ اس کے استوار کرنے میں توزوجین برابر کے فریق ہوں، لیکن اس کے فسخ کرنے کا کلی اختیار ایک فریق (خاوند) کو حاصل ہو اور فریق ثانی (بیوی) مجبور ومقہور ہو، قرآن کریم کی رو سے اس میں نہ تو خاوند کو کوئی اختیار ہوتا ہے اور نہ بیوی کو، یہ معاملہ معاشرے کے طے کرنے کا ہے۔[12]

غلام رسول سعیدی، غلام احمد پرویز کا رد خود کرنے کی بجائے جاوید احمد غامدی کی تحریر سے کرتے ہیں۔ایسا کرتے ہوئے اُن کا مدعا یہ ہے کہ جدید ذہن جو غامدی فکر سے زیادہ متاثر ہوتا ہوا نظر آتا ہے،اس کو بھی حقیقت حال کا صحیح ادراک کرنے میں تامل نہ ہو۔آپ لکھتے ہیں کہ "جاوید احمد غامدی (البقرۃ کی آیت ۲۲۹) کی تفسیر میں لکھتے ہیں: چنانچہ ذمہ داری کی نوعیت اور حفظ مراتب دونوں کا تقاضا ہے کہ طلاق کا اختیار مرد کو دیا جائے،اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ عورت اگر علیحدگی چاہے گی تو طلاق دے گی نہیں بلکہ شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے گی۔عام حالات میں توقع یہی ہے کہ ہر شریف النفس آدمی نباہ کی کوئی صورت نہ پا کر یہ مطالبہ مان لے گا، لیکن اگر ایسا نہ ہو تو عورت عدالت سے رجوع کر سکتی ہے۔[13]

علامہ غلام رسول سعیدی نے غلام احمد پرویز کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ طلاق کا حق عورت کو نہیں مرد کو حاصل ہے، لیکن آج کے دور میں مردوں کے ظلم وستم اور ان عورتوں کو تنگ کرنے کی وجہ سے مذہب احناف کے بجائے ائمہ ثلاثہ کے مذہب پر عمل کرنا چاہیے۔آپ لکھتے ہیں:"میں کہتا ہوں: قوتِ دلیل کے اعتبار سے ائمہ ثلاثہ کا مذہب راجح ہے اور خصوصاً ہمارے زمانے میں لوگ اپنی بیویوں کو تنگ کرنے اور ستانے کے لیے نہ ان کو آباد کر کے ان پر خرچ کرتے ہیں اور نہ ان کو طلاق دے کر آزاد کرتے ہیں اور اُن کی بیویاں ان کے پنجۂ ظلم میں اسیر رہتی ہیں اور یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا دور تو ہے نہیں کہ حاکم

[11]۔سعیدی، غلام رسول، تبیان الفرقان، ج 1، ص ۲۹۰۔۲۹۱

[12]۔پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، طلوع اسلام ٹرسٹ، لاہور 1993ء، ج ۳، ص ۳۸۵

[13]۔غامدی، جاوید احمد، البیان، المورد لاہور، 2010، ج ۱، ص ۲۴۵

شرع ایسی مظلوم عورت کے لیے بیت المال سے خرچ مقرر کر دے اور نہ ہی اس زمانہ میں عورت کو اس پر قدرت ہے کہ وہ عدالتوں کے چکر لگائے اور اپنے نان ونفقہ کے لیے حکومت کو درخواست دے تو ایسی صورت میں انسانی ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ اور دیگر فقہا کے مذہب پر عمل کیا جائے اور جب کوئی مرد اپنی بیوی کو خرچ نہ دے اور نہ طلاق دے تو پھر عدالت کو یہ اجازت دی جائے کہ وہ ایسی عورت کے اوپر طلاق نافذ کر دے اور اس زمانہ کے مفتیان کرام پر لازم ہے کہ وہ اس طلاق کو نافذ قرار دیں، کیونکہ مذہب احناف میں ضرورت کے وقت دوسرے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت ہے، خصوصاً امام مالک کے مذہب پر، لہٰذا انسانی ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ اس صورت میں ائمہ ثلاثہ کے مذہب پر عمل کیا جائے۔"[14]

غلام احمد پرویز کے شیطان کو الگ ہستی قرار دینے کا ردّ

اسلام نے فرشتوں، جنات اور شیطان کا غیر مرئی وجودات کے ضمن میں واضح طور پر ذکر کیا ہے۔ اس سلسلے میں کئی آیات قرآنی اور احادیث نبویہ استشہاد کے طور پر پیش کی جا سکتی ہیں۔ یہ تصور دیگر مذاہب میں بھی کسی نہ کسی طور موجود ہے، لیکن یورپ میں سائنسی ترقی اور مادی افکار کے تناظر میں حسی اور غیر مرئی مخلوقات کے انکار کا رجحان پیدا ہو گیا ہے، جب کہ اسلامی تعلیمات میں ملائکہ اور جنات کی طرح شیطان کا بھی وجود موجود ہے۔ شیطان کو قرآنی بیانات میں ایک خارجی وجود کے طور پر ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ [15](اور (وہ وقت یاد کیجیے) جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم آدم (علیہ السلام) کو سجدہ (تعظیم) کرو، سو ان (سب) نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، وہ (ابلیس) جنات میں سے تھا تو وہ اپنے رب کی طاعت سے باہر نکل گیا۔)، اس آیت کے مطابق شیطان نے اپنے رب کے حکم کی سرتابی کی۔ نیز اسے کہا گیا کہ تو جنت سے نکل جا جیسا کہ ارشاد قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ[16](ارشاد ہوا: پس تو یہاں سے اتر جا، تجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تو یہاں تکبّر کرے پس (میری بارگاہ سے) نکل جا، بے شک تو ذلیل وخوار لوگوں میں سے ہے)۔ جب کہ جناب غلام احمد پرویز کا کہنا ہے کہ شیطان کا کوئی خارجی وجود نہیں ہے بلکہ شیطان کا ذکر انسان کے اپنے فیصلوں، ارادوں اور جذبات سے تعبیر ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

> یہاں صرف ایک نکتہ کی وضاحت ضروری ہے۔ ہم اپنے ہر غلط کام کو شیطان کی طرف منسوب کر کے خود بری الذمہ ہو کر بیٹھ جاتے ہیں، چونکہ شیطان خود ہمارے اپنے ہی سرکش جذبات کا نام ہے، اس لیے غلط کاموں کے لیے کسی اور کے ذمہ دار ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں بہ غرض تفہیم شیطان کو ایک جداگانہ ہستی قرار دے کر اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ غلط کاموں کا ذمہ دار شیطان نہیں ہوتا، تم خود ہوتے ہو۔ انسان کے سرکش جذبات اسے غلط کاموں کے لیے اکساتے ہیں، اسے اس کی دعوت دیتے ہیں اور یہ ان کی دعوت پر لبیک کہہ دیتا ہے، بہر حال یہ خود ہی ہوتا ہے اس لیے ان کا خمیازہ بھی خود ہی بھگتتا ہے۔[17]

---

[14] ۔ سعیدی، تبیان الفرقان، ج ۱، ص ۵۱۸

[15] ۔ سورہ الکہف ۱۸: ۵۰

[16] ۔ سورہ الاعراف ۷: ۱۳

[17] ۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، ادارہ طلوع اسلام لاہور، 1981ء، ج ۷، ص ۱۴۸

علامہ سعیدی قرآن مجید کی آیت مبارکہ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ...الخ [18] کی تفسیر میں جناب غلام احمد پرویز کی اس رائے پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اس آیت میں شیطان کو ایک الگ شخصیت قرار دیا ہے جو انسان سے دشمنی کے سبب اسے برے کام کرنے کی دعوت دیتا ہے، اس لیے یہ کہنا کہ شیطان کوئی جداگانہ ہستی نہیں ہے، قرآن مجید کی اس آیت کا صریح انکار ہے۔"[19]

جناب غلام احمد پرویز کے اس دعوی کا رد امام رازی کی تفسیر کبیر سے بھی ہوتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ "باقی رہا یہ امر کہ شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی کیا کیفیت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام رازی نے کہا ہے کہ ملائکہ اور شیاطین اجسام کثیفہ نہیں ہے، بلکہ ان کے اجسام کا لطیفہ ہونا ضروری ہے اور اللہ سبحانہ نے ان کی عجیب و غریب ترکیب کی ہے اور جسم لطیف ہونے کے باوجود جسم کثیف میں نفوذ کر جاتے ہیں، جیسا کہ انسان کی روح جسم لطیف اور وہ انسان کے بدن میں سرایت کر جاتی ہے، اسی طرح آگ کوئلہ میں نفوذ کر جاتی ہے اور بتوں اور پھولوں کا پانی اور پھولوں میں سرایت کر جاتا ہے اور پستہ اور بادام اور تلوں کا تیل پستہ اور بادام اور تلوں میں سرایت کیا ہوا ہے اسی طرح شیطان انسان کے جسم میں سرایت کر جاتا ہے اور وسوسے ڈالتا ہے۔"[20] یہی بات علامہ سعیدی نے اپنی پہلی تفسیر تبیان القرآن میں بھی امام رازی کے حوالے سے نقل کی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے کچھ احادیث بھی نقل کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ شیطان کا وجود حسی ہے نہ کہ یہ انسان کے اپنے خیالات سے عبارت ہے۔

اکیلی عورت کی گواہی کے مسئلہ میں غلام احمد پرویز پر نقد

فکر اسلامی میں عورت کی گواہی کے مسئلے کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ بعض علما نے تمام معاملات میں عورت کی گواہی کو قبول کیا ہے اور بعض نے کچھ معاملات میں ہی عورت گواہی کے قابل سمجھا ہے، جب کہ کچھ معاملات ایسے ہیں جہاں صرف عورت ہی کی گواہی کا اعتبار کیا گیا ہے۔ غلام احمد پرویز سمیت کئی آزاد خیال لوگوں کی رائے ہے کہ اسلام میں ایک عورت کی گواہی بھی جائز ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک عورت کی گواہی اس لیے ناقابل قبول سمجھی جا رہی ہے کہ عورت ناقص العقل ہے اور اس پر انھوں نے بہت لعن طعن کی ہے۔ جناب غلام احمد پرویز لکھتے ہیں:

> عورت کے ناقص العقل ہونے کے ثبوت میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ قرآن کریم نے دو عورتوں کی شہادت کو ایک مرد کے برابر قرار دیا ہے، اس سے ثابت ہو گیا کہ عورت مرد کے مقابلہ میں آدھی عقل والی ہوتی ہے۔ اس موضوع پر سیر حاصل بحث البقرۃ ۲۲۱ کے تحت آ چکی ہے، اسے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔[21]

---

[18]۔ سورہ ابراہیم ۱۴: ۲۲

[19]۔ سعیدی، تبیان الفرقان، ج ۳، ص ۵۱۶

[20] ۔ رازی، تفسیر کبیر (ملخصا)، داراحیاء التراث العربی بیروت، 1415 ھ، ج ۷ ص ۷۸۔ ۸۸

[21]۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، ج ۳، ص ۴۸۶

علامہ سعیدی، غلام احمد پرویز پر نقد کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ ''غلام احمد پرویز نے البقرۃ: ۲۸۲ میں عورت کے مقام پر لمبی چوڑی گفتگو کی ہے، مگر اس گفتگو میں تنہا ایک عورت کی گواہی کے ثبوت میں کچھ نہیں لکھا۔ تاہم ایک عورت کی گواہی نامقبول ہونے اور اس کے ناقص العقل ہونے کے متعلق حدیث موجود ہے۔''[22]

علامہ سعیدی نے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے وہ کچھ یوں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یامعشر النسآء تصدقن فإني أريتكن أكثر أهل النار فقلن فبم يارسول الله قال تكثرن اللعن وتكفرن العشير ما رأيت من ناقصات عقل ودين أذهب للب الرجل الحازم من أحدكم قلن وما نقصان ديننا وعقلنا يارسول الله؟ قال أليس شهادة المرأة مثل نصف شهادة الرجل؟ قلن بلىٰ قال فذالك من نقصان عقلها قال أليس إذا حاضت لم تصل ولم تصم؟ قلن بلىٰ قال فذالك من نقصان دينها۔[23] (اے عورتوں کی جماعت صدقہ کرو، اس لیے کہ تمھاری کثیر تعداد مجھے جہنم میں دکھلائی گئی ہے، عورتوں نے کہا: 'یہ کس وجہ سے، اے اللہ کے رسولؐ؟' فرمایا: 'تم لعنت زیادہ بھیجا کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو، میں نے نہیں دیکھا کہ باوجود عقل و دین کے نقصان کے مردوں کی مت مارنے والی تم سے بڑھ کر کوئی ہو!' عورتوں نے کہا: 'اے اللہ کے رسول! ہمارے دین اور عقل کا کیا نقصان ہے؟' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'کیا ایک عورت کی شہادت ایک مرد کی نصف شہادت کے برابر نہیں؟'، عورتوں نے کہا: کیوں نہیں! آپؐ نے فرمایا: یہ ان کی عقل کے نقصان سے ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا ایسا نہیں کہ ایام مخصوص میں عورت نہ تو نماز پڑھ سکتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے؟ عورتوں نے کہا: درست ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اس کے دین کے نقصان سے ہے۔

اہل کتاب سے مسلمان عورت کے نکاح کے مسئلہ پر ڈاکٹر شکیل اوج پر نقد

عصر حاضر میں مغرب کی تشریح کردہ نسوانیت، مساوات اور حقوق نسواں جیسے خود ساختہ اور غلط افکار و نظریات نے لوگوں کے ذہن و دماغ میں اس طرح گھر کر لیا ہے کہ ان کے ذہنوں سے مذہب اور مذہبی تعلیمات کا تاثر تک ختم ہوتا جا رہا ہے۔ انھی جدید افکار میں سے ایک فکر مسلم عورت کی غیر مسلم سے شادی کے سلسلے میں ابھر کر سامنے آ رہی ہے یا پھر اسے جان بوجھ کر ابھارا جا رہا ہے۔ عصر حاضر کے مشہور اسکالر ڈاکٹر محمد شکیل اوج جو بقول علامہ سعیدی ایک آزاد خیال اسکالر ہیں[24]، نے بہت سے معاصر مسائل میں اسلام کی اجماعی فکر سے انحراف کیا ہے، اسی وجہ سے انھیں اسلام کی متجددانہ تشریح کرنے اور اپنانے والے جدید حلقوں میں کافی پذیرائی بھی حاصل ہوئی ہے۔ چنانچہ یہ مسلم خاتون کے کتابی کافر کے ساتھ نکاح کے جواز کے متعلق لکھتے ہیں:

---

[22]۔ سعیدی، تبیان الفرقان، ج ۱، ص ۵۹۶

[23] ۔ محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي، دار طوق النجاة ، صحيح البخاري 1422ھ، ج ۱، ص ۶۸، رقم الحديث: ۳۰۴

[24]۔ سعیدی، تبیان الفرقان، ج ۱، ص ۴۹۳

سوال یہ ہے کہ جس طرح کوئی مسلمان اہل کتاب عورت سے از روئے قرآن نکاح کر سکتا ہے تو کیا کوئی مسلمان عورت بھی کسی کتابی سے نکاح کر سکتی ہے؟ قرآن مجید نے اس سوال کا جواب بہ ظاہر سکوت کی صورت میں دے دیا ہے، گویا قرآن کے سکوت نے اس مسئلہ کو مجتہد فیہ کر دیا ہے جو مثبت اور منفی ہر دو طرح سے قابل فہم اور لائق شمول ہو سکتا ہے۔ یعنی ضروریات زمانہ کے اقتضا سے کوئی بھی صورت اختیار کی جاسکتی ہے، بہ ہر حال ہمیں اس سکوت کا اثباتی پہلو زیادہ قرین صواب لگتا ہے۔[25]

غلام رسول سعیدی کی تفسیر تبیان الفرقان کا مطالعہ کرنے سے ڈاکٹر محمد شکیل اوج کی اس تشریح کے دو جواب نظر آتے ہیں۔ پہلا جواب قرآن مجید کی آیت کا ذکر کر کے قیاس پر مبنی ہے اور دوسرا جواب حدیث نبوی سے استدلال پر مبنی ہے۔ پہلا جواب دیتے ہوئے علامہ سعیدی لکھتے ہیں کہ ''قرآن مجید میں اللہ عزوجل نے چار محرمات کا ذکر فرمایا ہے: إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ[26] (اس نے تم پر صرف مردار اور خون اور سوٗر کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو حرام کیا ہے،)۔ اب ان چار چیزوں کے علاوہ باقی حرام چیزوں کے بیان سے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سکوت فرمایا ہے، تو کیا کسی کا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ چوں کہ باقی حرام چیزوں کے بیان سے اللہ تعالیٰ نے سکوت فرمایا ہے تو ان میں اجتہاد کی گنجائش ہے، اور کسی حرام چیز کو کوئی مجتہد اپنے اجتہاد سے حلال قرار دے سکتا ہے تو کیا اس کا یہ کہنا صحیح ہوگا؟ اور اگر اس کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے تو پھر ڈاکٹر محمد شکیل اوج کا یہ کہنا کس طرح صحیح ہوگا کہ گویا قرآن کے سکوت نے اس مسئلہ کو مجتہد فیہ کر دیا ہے۔''[27]

دوسرے جواب میں علامہ سعیدی لکھتے ہیں کہ اگر اہل کتاب مردوں سے مسلم خواتین کا نکاح جائز ہوتا تو اللہ عزوجل اس جواز کی ضرور تصریح فرما دیتا اور اس پر سکوت نہ فرماتا، کیوں کہ حلال اور حرام کے مسئلہ میں سکوت فرمانا اور اس کو ابہام میں رکھنا قرآن کا اسلوب نہیں ہے، حدیث میں ہے کہ ''الحلال بين والحرام بين''[28] (حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے)۔[29]

ڈاکٹر محمد شکیل اوج قرآن مجید کی آیت وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا[30] (اور (مسلمان عورتوں کا) مشرک مردوں سے بھی نکاح نہ کرو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں) کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھتے ہیں کہ '' یاد رہے کہ پورے قرآن مجید میں مشرکین سے مراد سوائے مشرکین مکہ کے اور کوئی نہیں ہے۔ آپ نے دیکھا کہ مذکور بالا دونوں احکام میں اہل کتاب کو شامل

---

[25]۔ اوج، محمد شکیل، ڈاکٹر، نسائیات، کلیہ معارف اسلامیہ جامعہ کراچی، جون ۲۰۱۲ء، ص ۱۰۰

[26]۔ سورہ البقرہ ۲: ۱۷۳

[27]۔ سعیدی، تبیان الفرقان، ج ۱، ص ۴۹۵

[28] ۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، رقم الحدیث: ۵۲

[29] ۔ سعیدی ،تبیان الفرقان، ج ۱، ص ۴۹۵

[30] ۔ سورہ البقرہ ۲: ۲۲۱

نہیں کیا گیا۔[31] ڈاکٹر شکیل اوج اس مسئلہ میں مولانا امین احسن اصلاحی کی فکر سے متاثر نظر آتے ہیں، انھوں نے مولانا اصلاحی کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ مشرکین اور مشرکات کا لفظ قرآن میں خاص عرب کے مشرکین اور مشرکات کے لیے بہ طور لقب یا علم کے استعمال ہوتا ہے، دوسری قومیں جن میں شرک پایا جاتا ہے خواہ وہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشابہ اہل کتاب میں سے، وہ براہ راست اس لفظ کے تحت نہیں ہیں۔ ان کے بقول چوں کہ دنیا کے باقی مشرکین اس حکم میں داخل نہیں ہیں، اس لیے یہ ممانعت اہل کتاب مردوں کو شامل نہیں ہے اور ان کے مردوں سے مسلم عورتوں کا نکاح جائز ہے۔[32]

ڈاکٹر محمد شکیل اوج کی قرآنی آیت کی یہ تاویل درست نہیں ہے، کیوں کہ علما، فقہا اور محدثین میں سے کسی نے بھی اس تاویل کا نہ تو ذکر کیا ہے اور نہ ایسا کوئی قول قبول کیا ہے، بل کہ انھوں نے ''المشرکین'' کی تفسیر میں وضاحت کی ہے کہ یہاں اس آیت میں مشرکین سے مراد پوری دنیا کے مشرک ہیں نہ کہ صرف مکہ کے۔ علامہ سعیدی ابو بکر الاصم عبد الرحمان بن کیسان کی تفسیر ابو بکر الاصم کے حوالے سے درج کرتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ لفظ مشرک کیا کفار اہل کتاب کو شامل ہے یا نہیں؟ ابو بکر الاصم نے یہ کہا ہے کہ ہر وہ شخص جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا منکر ہو وہ مشرک ہے۔[33]

اس کے علامہ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی نے 'التبیان فی تفسیر القرآن'[34]، علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی نے 'احکام القرآن'[35] میں لکھا ہے کہ ہر کافر حقیقت میں مشرک ہی ہوتا ہے اور جس نے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا وہ کافر ہو کر مشرک کے اس حکم میں داخل ہے۔

اس کے علامہ دیگر کئی فقہا مفسرین جن میں امام ابن جریر طبری، ابو منصور ماتریدی، قاضی محمد بن محمد العمادی، اور علامہ آلوسی وغیرہ شامل ہیں، نے یہی لکھا ہے کہ یہاں ''مشرک'' سے مراد ہر کافر ہے جو ختم نبوت پر ایمان نہیں لاتا۔ علامہ سعیدی نے ڈاکٹر شکیل اوج کے ردّ میں فقہائے اربعہ کے دلائل سے بھی یہی ثابت کیا ہے کہ اہل کتاب مردوں کا مسلم عورتوں سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ علامہ سعیدی نے نہ صرف ان روایتی اور قدیم ذرائع سے ڈاکٹر شکیل اوج کی تاویل کی نفی کی ہے، بل کہ برصغیر کے مشہور متجدد جناب غلام احمد پرویز کی تفسیر سے بھی حوالہ دے کر ثابت کیا ہے کہ ڈاکٹر شکیل اوج کی تاویل غلط ہے۔ اپنی تفسیر مطالب الفرقان میں جناب غلام احمد پرویز لکھتے ہیں: مسلمان مرد اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کر سکتے ہیں، لیکن مسلمان

---

[31] ۔ اوج، حمد شکیل، ڈاکٹر، نسائیات، ص ۹۵

[32] ۔ ایضا، ص ۹۷

[33] ۔ ابو بکر الاصم عبد الرحمان بن کیسان، تفسیر ابو بکر الاصم، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ، ص ۴۷

[34] ۔ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی، التبیان فی تفسیر القرادار احیاء التراث العربی، بیروت، ج ۲، ص ۲۱۹

[35] ۔ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی، احکام القرآن، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۸ف، ج ۱، ص ۲۱۸

عورتیں اہل کتاب کے مردوں سے شادی نہیں کر سکتیں۔"[36]

ڈاکٹر محمد شکیل اوج نے مولانا امین احسن اصلاحی کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ وہ مشرکین سے صرف مکہ کے مشرکین مراد لیتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مولانا اصلاحی خود بھی غیر مسلم مرد سے مسلم عورت کے نکاح کو جائز نہیں سمجھتے۔ آپ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "یہی وجہ ہے کہ مسلمان مردوں کو تو کتابیات سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے، لیکن مسلمان عورت کو کسی صورت میں بھی کسی غیر مسلم سے نکاح کی اجازت نہیں دی گئی ہے خواہ وہ کتابی ہو یا غیر کتابی۔"[37]

اپنے تمام دلائل ذکر کرنے کے بعد علامہ سعیدی ڈاکٹر محمد شکیل اوج سے بڑی درمندانہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ اسلاف کے مذہب کو اپنائیں اور باطل تاویلات نہ کریں۔ آپ لکھتے ہیں: "قرآن مجید، مستند حدیث، آثار صحابہ، فقہا تابعین اور ہر مذہب ومسلک کے مفسرین اور علمائے اسلام کے اجماع کے حوالہ جات سے آفتاب سے روشن تر ثابت ہو گیا کہ مسلمان عورتوں کا اہل کتاب مردوں سے نکاح جائز نہیں ہے۔ لہذا میں ڈاکٹر محمد شکیل اوج سے دل سوزی کے ساتھ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے اس موقف سے رجوع کر لیں کہ مسلمان عورت کا اہل کتاب مرد کے ساتھ نکاح جائز ہے۔"[38]

معراج کے انکار پر سر سید اور غلام احمد پرویز پر نقد

سر سید احمد خان نے اپنی مشہور کتاب "الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ" اور اپنی "تفسیر القرآن وھو الفرقان" میں واقعہ اسرا اور معراج کو خواب سے تعبیر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ سارا واقعہ خواب میں پیش آیا ہے۔ جتنی تفصیل کے ساتھ سر سید احمد خان نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے، کسی اور بحث کو اتنا نہیں چھیڑا ہے۔ سر سید نے جمہور علما و محدثین اور متکلمین کی آرا پر اپنے دلائل کے ساتھ جگہ جگہ نقد و جرح کی ہے۔ سر سید احمد خان لکھتے ہیں: "ہماری تحقیق میں واقعہ ایک خواب تھا جو رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تھا، اس خواب میں یہ بھی دیکھا کہ جبرائیل نے آپ کا سینہ چیرا تھا اور اس کو زمزم سے دھویا، قابل انکار نہیں ہے اور نہ کوئی اس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ ہے۔ بعض کتابیں حدیث کی جیسے بیہقی اور دار قطنی اور مثل ان کے اور کتب سیر وتواریخ جیسا کہ مواہب لدنیہ اور سیرت ابن ہشام وغیرہ، وہ جب تک ان کے صحیح ہونے یا غلط نہ ہونے کی کوئی وجہ نہ ہو مطلقاً قابل التفات نہیں ہیں اور ان کی اکثر حدیثیں اور روایتیں نامعتبر اور موضوع ہیں، ان پر استدلال کرنے سے زیادہ کوئی کام نادانی وسفاہت وبلادت کا نہیں ہے۔[39]

---

[36]۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، ج ۳، ص ۳۲۴

[37]۔ اصلاحی، محمد امین، تدبر القرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور ۲۰۱۲ء، ج ۲، ص ۴۶۶

[38]۔ سعیدی، غلام رسول، تبیان الفرقان، ج ۱، ص ۴۹۹

[39]۔ سر سید احمد خان، تفسیر القرآن وھو الھدیٰ والفرقان، سر سید ریسرچ اکیڈمی لاہور، ج ۶، ص ۱۳۰-۱۳۱

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں: ''سر سید کی یہ تفسیر بداہۃً باطل ہے، کیوں کہ اگر قصہ معراج صرف خواب کا معاملہ ہوتا اور رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ کے سامنے اپنا خواب بیان کیا ہوتا کہ میں خواب میں براق پر بیٹھ کر مکہ سے مسجد اقصیٰ گیا اور پھر مسجد اقصیٰ سے ساتویں آسمان تک گیا اور پھر ساتویں آسمان سے سدرۃ المنتہیٰ اور عرش اور اس کے ماوراتک گیا تو پھر قریش مکہ کو رسول اللہ ﷺ کی معراج کی تکذیب کی کیا ضرورت تھی؟ کیوں کہ خواب میں انسان جو چاہے دیکھ لے اور جس کے سامنے چاہے اپنا خواب بیان کردے، ان میں سے کوئی امر قابل تعجب اور باعث انکار نہیں ہے جب کہ قریش مکہ نے اس پر زبردست انکار کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ صرف خواب کا واقعہ نہیں تھا، بل کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ وہ بے داری میں مسجد حرام سے چل کر راتوں رات مسجد اقصیٰ جا پہنچے اور پھر اسی رات وہاں سے واپس بھی آ گئے۔ اس سے واضح ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی معراج خواب کا واقعہ نہیں تھی، بل کہ بے داری میں آپ کو اپنے جسم اقدس کے ساتھ معراج ہوئی تھی۔''[40]

سر سید لکھتے ہیں کہ جن روایتوں میں اسرا کو علاحدہ اور معراج کو علاحدہ دو چیزیں قرار دیا ہے ان کو ہم تسلیم نہیں کر سکتے، بل کہ اسرا اور معراج کو ایک دوسرے کا متحد المعنیٰ یا مرادف تصور کرتے ہیں، اس لیے کہ قرآن مجید میں لفظ اسریٰ واقع ہوا ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے: سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ[41] یہ آخری فقرہ ایک قسم کے عروج پر دلالت کرتا ہے جس کے سبب لفظ معراج مستعمل ہو گیا ہے۔[42]

جب کہ علامہ سعیدی کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک رات کے ایک لمحہ میں جب لے جانا اسرا ہے یہ قطعی الثبوت ہے، کیوں کہ قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے اور اس کا انکار کفر ہے اور 'لِنُرِيَهُ مِنۡ آيَاتِنَا' میں رسول اللہ ﷺ کی معراج کا ذکر ہے اور یہ احادیث سے ثابت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد اقصی میں انبیا کی امامت کرانا بھی اسی میں داخل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا مسجد اقصیٰ سے آسمانوں تک معراج کے ذریعہ جانا جو ایک نورانی سیڑھی تھی اس کا ثبوت ظنی ہے اور اس کا انکار کفر نہیں ہے۔ سو اسرا میں اور معراج میں فرق ہے، اسرا قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہے یعنی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک رات کے ایک لمحہ میں جانا اور پھر واپس آجانا اور اس کے بعد آسمانوں کی سیر کرنا یہ معراج ہے اور یہ اخبار احاد سے ثابت ہے اور ظنی ہے۔[43]

ایک اور جگہ سر سید احمد خان لکھتے ہیں کہ اب ہم غور کرتے ہیں کہ احادیث معراج پر جن میں صاف پایا جاتا ہے کہ وہ ایک واقعہ ہے جو سوتے میں آنحضرت ﷺ نے دیکھا تھا اور دلالۃ النص سے بھی پایا جاتا ہے اور صحاح کی کسی حدیث سے نہیں پایا جاتا کہ حالت بے داری میں آتے دیکھا اور بجسدہ آپ بیت المقدس اور آسمانوں پر تشریف لے گئے، بل کہ برخلاف اس کے

[40]۔ سعیدی، غلام رسول، تبیان الفرقان، ضیاء القرآن لاہور۔ ج ۱، ص ۱۳۲

[41]۔ بنی اسرائیل ۱۷: ۱

[42]۔ سر سید احمد خان، تفسیر القرآن وھو الھدٰی و الفرقان، ج ۲، ص ۳۰۸۔۳۰۹

[43]۔ سعیدی، غلام رسول، تبیان الفرقان، ج ۳، ص ۷۹۶

چند حدیثوں میں سونے کی حالت پائی جاتی ہے تو ہمارا اور ہر ذی عقل کا بل کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس کو ایک واقعہ خواب کا تسلیم کریں۔[44]

غلام رسول سعیدی اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ اگر یہ صرف خواب کا واقعہ ہوتا تو مشرکین اس کا ردّ نہ کرتے، کیوں کہ خواب میں کسی عجیب و غریب چیز کو دیکھنے پر کسی کو حیرت نہیں ہوتی اور نہ کوئی اس کا انکار کرتا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کا براق پر سوار ہونا بھی اس کا تقاضا کرتا ہے کہ جسمانی معراج تھی، کیوں کہ سواری پر سوار ہونا جسم کا تقاضا ہے نہ کہ روح کا، نیز اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی نشانی اور معجزہ نہ ہوتا اور آپ ﷺ سے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا یہ نہ کہتیں کہ آپ لوگوں سے یہ واقعہ بیان نہ فرمائیں، وہ آپ کی تکذیب کریں گے اور نہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تصدیق کرنے میں کوئی فضیلت ہوتی اور نہ قریش کے طعن تشنیع اور تکذیب کی کوئی وجہ ہوتی، حالاں کہ جب آپ ﷺ نے معراج کی خبر فرمائی تو قریش نے آپ ﷺ کی تکذیب کی اور کئی مسلمان مرتد ہو گئے اور اگر یہ خواب ہوتا تو اس کا انکار نہ کیا جاتا اور نیند میں جو واقعہ ہوا ہو اس کے لیے اسریٰ نہیں فرمایا جاتا۔[45]

سر سید احمد خان لکھتے ہیں کہ چند حدیثیں ایسی ہیں جس میں شق صدر کا ہونا معراج کے ساتھ بیان ہوا ہے، ایسا ہونا البتہ تسلیم ہو سکتا ہے، اس لیے کہ ہماری تحقیق میں واقعہ معراج ایک خواب تھا جو رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تھا، اسی خواب میں یہ بھی دیکھا کہ جبرائیل نے آپ کا سینہ چیرا اور اس کو آب زم زم سے دھویا قابل انکار نہیں ہے اور نہ اس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ ہے۔[46]

سر سید احمد خان نے معراج کے موقع پر شق صدر کو تسلیم کر لیا ہے اور اس کو بھی خواب کا واقعہ قرار دیا ہے اور حسب سابق اس کے خواب ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں کی، جب کہ ہم اس واقعہ کے خواب نہ ہوئے پر دلائل قائم کر چکے ہیں۔[47]

غلام احمد پرویز لکھتے ہیں کہ جو چیز اس میں قابل اعتراض ہے وہ یہ ہے کہ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ حضور ﷺ اس جسد مبارک کے ساتھ آسمان پر گئے اور وہاں اللہ سے اس طرح ملاقات ہوئی تو خدا کی طرف سے معجزہ یا قدرت تو رہی ایک طرف اس سے ماننا یہ پڑے گا کہ خدا بھی کسی Space کے اندر کسی مکان کے اندر کسی جگہ کے اندر ہے، جہاں ایک شخص نے Physically اپنے جسم کے ساتھ ملاقات کے لیے جانا ہے تو یہ تصور خدا کے اس تصور کے خلاف ہے جو قرآن نے دیا ہے۔[48] علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں کہ اہل اسلام میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کسی مخصوص جگہ پر ہوئی۔ اہل اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ لا مکان میں ہیں، یعنی کوئی مکان یا کوئی جگہ ایسی نہیں جو اللہ کی جلوہ گاہ

---

[44]۔ سر سید احمد خان، تفسیر القرآن وھو الھدیٰ و الفرقان، ج۲، ص ۴۲۰

[45]۔ سعیدی، غلام رسول، تبیان الفرقان، ج۳، ص ۷۸۹

[46]۔ سر سید احمد خان، تفسیر القرآن وھو الھدیٰ و الفرقان، ج۳ ص ۴۲۸

[47]۔ سعیدی، غلام رسول، تبیان الفرقان، ج3، ص798

[48]۔ پرویز، غلام احمد، مطالب القران فی دروس القرآن، ص۵۲

ہو، اللہ اپنے علم اور قدرت کے اعتبار سے ہر جگہ کو محیط ہیں اور عرش عظیم پر اللہ کا غلبہ ہے۔[49]

ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ اللہ نے اپنے لیے عرش کو پیدا کیا اور اُس پر مستوی ہوئے بغیر اس کے کہ عرش ان کا مکان ہو یا وہ عرش کو مس کر رہے ہوں، وہ عرش پر اپنی شان کے لائق جلوہ افروز ہوئے اور تمام مخلوق میں کوئی چیز ان کے مماثل نہیں ہے اور اس تقدیر پر برابر ہے کہ اللہ نبی کو زمین پر بٹھائیں یا عرش پر، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا یہ معنی نہیں کہ وہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتے ہیں یا کھڑے ہوتے ہیں یا بیٹھتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کو عرش پر بٹھانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عبدیت کی صفت سے نکل گئے اور ربوبیت کی صفت میں داخل ہو گئے، بل کہ اس میں نبی ﷺ کی تمام مخلوق پر شرف عزت اور وجاہت کو ظاہر فرمانا ہے۔[50]

سر سید احمد خان کے ثبوت معجزہ سے انکار پر نقد

معجزات تمام مذاہب اور کتب سماوی کا ایک اہم عنصر اور ناقابل استرداد حصہ رہے ہیں۔ از روئے قرآن وحدیث معجزات کا حق ہونا اتنا بدیہی ہے کہ تمام ائمہ محققین نے اس پر اتفاق کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد شہباز منج لکھتے ہیں کہ "فلاسفہ اور سائنس دانوں کی ایک کثیر تعداد نے بھی معجزات کے امکان و وقوع کو تسلیم کیا ہے، لیکن مغرب میں علمی نشاۃ ثانیہ کے ساتھ عقلیت پسندی کی جو تحریک اٹھی، اس کے نتیجے میں یورپ میں یہ تصور جڑ پکڑ گیا کہ معلوم و معروف قوانین فطرت سے ہٹ کر کسی واقعے کے وقوع پذیر ہونے پر ایمان رکھنا عقل و علم سے بیر اور جہالت و توہم پرستی ہے۔ مغربی اہل فکر سے تاثر کے نتیجے میں سر سید نے بھی قوانین قدرت کا ایسا تصور قائم کر لیا جس میں معجزات کی کوئی گنجائش نہیں پائی جاتی۔ چناں چہ انھوں نے معجزات کا مطلقاً انکار کر ڈالا۔"[51]

سر سید احمد خان نے معجزہ کے باب میں جمہور امت سے اختلاف کیا ہے۔ انھوں نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ معجزہ کا وقوع ناممکن ہے اور قرآن میں اس کا تذکرہ نہیں ہے۔ معجزہ نبوت کی دلیل نہیں ہے اور تیسری بات یہ کہ قرآن مجید میں کسی معجزہ کا ذکر نہیں ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو۔[52]

سر سید احمد خان لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جو قانون فطرت کے برخلاف ہو، وأما المعجزات فقد ثبت من القرآن انه علیه الصلوة والسلام ما ادعی باحد من المعجزات وقال علیه السلام انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الھکم اله واحد وقال علیه السلام فی مقام آخر انما انا بشیر ونذیر، رہے معجزات تو قرآن سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی ایک معجزہ کا بھی دعویٰ نہیں کیا، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں صرف تمھاری مثل بشر ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے، اس کے سوا کچھ نہیں کہ میرا اور تمھارا معبود واحد ہے اور دوسرے مقام پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں

[49] ۔سعیدی، غلام رسول ،تبیان الفرقان، ج۳، ص ۸۰۰

[50] ۔ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی، الجامع الاحکام القرآن، دارالفکر بیروت، ج ۱۰ ص ۲۸۰

[51] ۔ محمد شہباز منج، ڈاکٹر، برصغیر کے اہل تفسیر پر مغربی فکر و تہذیب کا اثر، القمر پبلی کیشنز لاہور، 2019ء، ص۳۹

[52] ۔ سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، ج ۱، ص ۱۳۲۔۱۴۵

صرف ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔[53]

غلام رسول سعیدی اس کے جواب میں لکھتے ہیں: قرآن مجید کی القصص ۳۰تا۳۲ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کا ذکر ہے اور اس معجزہ کو اللہ نے آیت اور برہان فرمایا ہے اور یہ معجزہ خلاف فطرت واقع ہوا ہے، کیوں کہ عام عادت اور فطرت یہ نہیں ہے کہ لاٹھی کو زمین پر مارا جائے تو وہ لاٹھی سانپ بن جائے اور نہ ہی فطرت اور عادت ہے کہ کوئی شخص اپنے ہاتھ کو بغل میں ڈالے تو وہ چمکتا ہوا سفید بن جائے، لہٰذا قرآن مجید کی ان آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کا واضح ثبوت ہے۔[54]

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ[55]

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے فرمایا: اس پتھر پر اپنا عصا مارو، فوراً اس میں سے بارہ چشمے بہہ نکلے، ہر گروہ نے اپنا گھاٹ پہچان لیا، کھاؤ اور پیو خدا کے رزق سے اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں کہ پتھر پر لاٹھی مارنا اور اس سے پانی نکل آئے، یہ کوئی عام قاعدہ نہیں ہے اور نہ عام فطرت کے مطابق ہے، اگر یہ عام قاعدہ اور فطرت ہو تو ہر انسان پتھر پر لاٹھی مارے تو اس سے پانی نکل آئے، لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب پتھر پر لاٹھی ماری اور اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے تو ان کا یہ فعل خلاف قاعدہ اور خلاف فطرت تھا اور یہی معجزہ ہے سو قرآن مجید سے معجزہ ثابت ہو گیا۔[56]

حاصل بحث

علامہ غلام رسول سعیدی ایک معتدل فکر کے حامل عالم دین تھے۔ انھوں نے جس بھی موضوع پر قلم اٹھا کر نقد کی ہے، اس میں اعتدال نظر آتا ہے۔ علامہ سعیدی نے متجدّدانہ آرا و افکار پر نقد کرتے ہوئے متجددین کی آرا کو قرآن و سنت اور عقل کے مطابق تجزیہ کیا ہے۔ ان کی تحریروں میں کسی بھی جگہ تعصب اور جانبداریت کا تاثر نہیں پایا جاتا۔

OOOO

[53]۔سرسید احمد خان، تفسیر القرآن وهو الهدیٰ والفرقان، ج۱، ص ۹

[54]۔سعیدی، غلام رسول، تبیان الفرقان، ج۲، ص ۳۴۰

[55]۔سورہ البقرہ ۲: ۶۰

[56]۔سعیدی، غلام رسول، تبیان الفرقان، ج۲، ص ۳۴۰